OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اسلامی تاریخی ناول نگاروں کا ادبی مقام و مرتبہ: نسیم حجازی کا خصوصی مطالعہ

Literary Status of Islamic Historical Novelists: A Special Study of *Naseem Hijazi*

Dr. Muhammad Ashraf Gul

Assistant Professor of Urdu, Lahore Leads University, Lahore

Aneeqa Tasadduq

Research Scholar, Lahore Leads University, Lahore

Asma Saeed

Research Scholar, Lahore Leads University, Lahore

Abstract

Naseem Hijazi is generally known as an Islamic historical novelist. It is true that he has written fourteen Islamic historical novels. Addition to that he has also written two biographical novels. He is a writer of four books on irony and humor namely *Safaid Jazeera, Saw Saal Baad, Saqafat ki Talash and Porus kay Hathi.* Nasim has written a travel book named *Pakistan sy Dayar e Haram Tak* too. Thus it is rightly said that he is much more a than mere islamic historical novelist. He is also a successful wit writer and a "Safarnama" writer. In addition to all that, Nasim Hijazi has been a great journalist and very smart political thinker of his times. So I have made an effort to highlight his literary position among Urdu writers so that the readers may know enough about his dignified position in Urdu literature. The effort is purely research based and justified. No polarization and praising tools are used to show Nasim Hijazi a great writer in this research article.

Keywords: Nasim Hijazi, Islamic Historical Novel, biographical novels, irony and satire, political thinker, Journalist, Safarnama Nigaar

تمہید

کسی بھی مصنف اور ادیب کا ادبی مقام و مرتبہ اس کے لیے حاصلِ زندگی ہوتا ہے۔ اس کا درست تعین کرنا ادبی محققین کا کام ہوتا ہے۔ ناقدینِ ادب ہی مختلف اصنافِ ادب میں مختلف تخلیق کاروں کا مقام و مرتبہ صحیح طور پر متعین کر سکتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان کا میدانِ کار ہے بلکہ ان کا فرضِ منصبی بھی ہے کہ وہ پوری ایمان داری، دیانت داری اور ادبی عدل و انصاف کے ساتھ کسی بھی تخلیق کار کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کریں۔ آج اگر بہت سے نامور ادبا و مصنفین کو دنیا جانتی ہے تو اس کا سبب انہی ادبی محققین و ناقدین کی کاوشیں ہیں۔ اسی طرح نسیم حجازی کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لیے بھی متعدد محققین و ناقدین نے کوششیں کی ہیں۔ یہ تحقیقی مضمون بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ نسیم حجازی کی ادبی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ تاریخی ناول نگاری، صحافت و سیاست، مزاح نگاری اور سفر نامہ نگاری کے علاوہ سوانحی ناول نگاری میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کے ادبی مقام و مرتبہ کا حتمی تعین کرنے کے لیے ان کی متفرق ادبی تصاویر کو یک جا کر کے ایک مرقعے کی صورت میں دیکھنا ضروری ہے تاکہ جامع تصویر سامنے آسکے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت نسیم حجازی کے ادبی مقام و مرتبہ کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نسیم حجازی بحیثیت تاریخی ناول نگار

نسیم حجازی نے چودہ تاریخی ناول لکھے ہیں جن میں سے بیشتر آج بھی "بیسٹ سیلر" کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب تک دنیا میں اردو پڑھنے والے لوگ موجود رہیں گے، یہ ناول لازوال رہیں گے۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا کی یہ رائے اسی بات کی تصدیق کرتی ہے ": اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ وہ ماضی، حال اور مستقبل کی قیود سے آزاد مصنف ہیں اور ایسے ناولوں کے مصنف ہیں جو خود بھی لافانی ہیں اور جنہوں نے نسیم حجازی کو بھی لافانی بنا دیا ہے۔"[1] نسیم حجازی کی داستان گوئی کا مقصد بجائے خود عظیم ہے جس کی حامل کوئی تحریر کم تر ہو ہی نہیں سکتی۔ جو شخص قرآن کو اللہ کا کلام مانتا ہے اسے اس دعوے پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور جو نہیں مانتا اسے میرے اس دعوے سے زیادہ قرآن کی اس حیثیت کو ماننے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا بھی اسی کلامِ لاکلام کو نسیم حجازی کی داستان گوئی کی بنیاد بتاتے ہیں: "قرآن مجید میں سورۃ یوسف، سورۃ نجم اور سورۃ کہف میں، آدم، نوح، موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم و اسمٰعیل، داستانِ سکندر بیان کر کے گویا داستانوں کو ایک خاص اہمیت دے دی گئی ہے۔"[2] وہ نسیم حجازی کی داستانوں میں قرآنی رنگ کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں ": نسیم حجازی صاحب میں یہ رنگ موجود ہے۔ ان کے آثار میں وہی صبغۃ الٰہی موجود ہے۔ وہ داستان سرائی کے ذریعے روشنیاں پھیلاتے رہے۔ داستان سرائی بھی وہ جو وقتی نہیں بلکہ پر ہدف اور پر مقصد ہے۔"[3] نسیم حجازی کی تصانیف کا مقصد وہی ہے جو علامہ اقبالؒ کی شاعری کا ہے۔ شمیم اکرام الحق نے نسیم حجازی کے اہلِ خاندان کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کے حوالے سے لکھا ہے ": نسیم حجازی نے تاریخی ناول نگاری کا مشغلہ بلا سوچے سمجھے نہیں اپنایا بلکہ ان کے پیشِ نظر ایک خاص مقصد تھا۔ وہی مقصد جسے پورا کرنے کے لیے علامہ اقبالؒ نے شاعری کا میدان منتخب کیا تھا۔"[4] اس سلسلے میں ڈاکٹر شفیق احمد کی یہ رائے بھی معتبر ہے ": علامہ اقبالؒ، رئیس احمد جعفری، قرۃ العین حیدر اور نسیم حجازی نے اپنی شاعری اور ناول نگاری کے ذریعے یہ کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ لوٹ آئے۔"[5]

اگر ان کی تحریروں میں پائے جانے والے خیالات کی بات کی جائے تو بھی ان کے ناولوں کی بلند حیثیت سامنے آتی ہے۔ ایک ایسا دور گزرا ہے جب بہت سے لوگ نسیم حجازی کے ناولوں کا احترام مذہبی کتب کی طرح کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال محترمہ نسرین بھٹی کی ہے جن کا کہنا ہے: "میں نسیم حجازی صاحب کے ناول پڑھنے سے قبل باوضو ہونا ضروری سمجھتی ہوں۔"[6]

اگر کسی ادیب کی حیثیت کے تعین کی بنیاد اس کی تصانیف کی تاثیر کو بنایا جائے تو بھی نسیم حجازی بلند قامت ادیب دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جیل کی کال کوٹھڑی سے ایک قیدی نسیم حجازی کو خط لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں پھانسی پانے سے پہلے آپ کے دو ناول "قیصر و کسریٰ" اور "خاک اور خون" پڑھنا چاہتا ہوں اور یہی میری آخری خواہش ہے۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا، نسیم حجازی کے ساتھ ایک ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں": ایک جیل سے پھانسی کی سزا پانے والے ایک مجرم کا خط نسیم حجازی کے نام آتا ہے جو اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ وہ پھانسی پانے سے پہلے "قیصر و کسریٰ" اور "خاک اور خون" کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔"[7] ایسے میں اگر مائیں اپنے بیٹوں میں نسیم حجازی کے ناولوں کے ہیرو کی صفات پیدا کرنے کی خواہش کریں تو بات مزید بہتر ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا نے معروف استاد ڈاکٹر عائشہ سلیم کے حوالے سے لکھا ہے": بہاول پور سے نسیم حجازی کے ناولوں کی ایک قاری[8] محترمہ عائشہ سلیم صاحبہ جو استاد بھی ہیں، جب اپنے بیٹے میں وہی اوصاف دیکھنا چاہتی ہیں جو ان کے محبوب ناول نگار کے ناولوں کے کرداروں میں دیکھے تھے تو یقین آ جاتا ہے کہ نسیم حجازی کی محنت رائگاں نہیں گئی۔"[9] اس رائے میں بہت وزن ہے کیوں کہ ڈاکٹر عائشہ سلیم کوئی عام ماں نہیں ہیں جس نے جذبات میں آکر اپنے لختِ جگر کے متعلق ایسی خواہش کا اظہار کر دیا ہو جب کہ راقم، ڈاکٹر عائشہ سلیم سے ایک ملاقات میں اس بات کی تصدیق بھی کر چکا ہے۔[10]

نسیم حجازی کے ناولوں کے لافانی ادبی معیار کا ایک ثبوت ان کے ایڈیشنوں کی تعدادِ لاتعداد ہے۔ مجھے چار سال کی جستجو کے دوران میں اس کے متعلق کوئی شخص یقین کے ساتھ کچھ نہیں بتا سکا۔ پھر مجھے جس قدر کتب، مقالات، مضامین اور حوالہ جات دستیاب ہوئے ہیں وہ بھی اس سوال کو آسودۂ جواب نہیں کر سکے۔ اس کے باوجود میں ان سب محققین و مصنفین کو معذور سمجھتا ہوں کیوں کہ خود نسیم حجازی کو بھی اپنے ناولوں کے ایڈیشنوں کی صحیح تعداد معلوم نہ تھی۔ ان کا کہنا ہے:"۱۹۵۳ء میں جب میری کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے تھے، میرے اور احسن صاحب کے راستے الگ الگ ہو گئے۔"[11]

قطع نظر اس کے کہ نسیم حجازی کے اپنے پبلشر کے ساتھ یہ "راستے" الگ الگ کیوں ہوئے، یہ طے ہے کہ ناول نگاری کے آغاز کے بعد دس برس کے اندر اندر جس مصنف کو خود اپنی کتابوں کے ایڈیشنوں کا شمار یاد نہ رہے وہ معمولی مصنف نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی تصدیق نسیم حجازی کے ایک دوست محمود ہاشمی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے": نسیم صاحب! یہ صحیح ہے کہ جس رفتار سے آپ کی تصانیف کے ایڈیشن نکل رہے ہیں وہ کسی اور ادیب کے مقدر میں نہیں اور آپ کی مقبولیت میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔"[12]

نسیم حجازی کے پہلے ناول کے متعلق پبلشرز کی رائے اور اشاعت کے بعد اس کے برعکس نتائج بھی اس بات پر دال ہیں کہ نسیم حجازی کوئی بہت بڑی چیز لکھتے ہیں۔ وہ اپنے اولین ناول "داستانِ مجاہد" کے متعلق پبلشرز کی ناپسندیدگی کے حوالے سے لکھتے ہیں": میں جس بھی مشہور ناشر کے پاس اپنے ناول کا مسودہ لے کر گیا وہ "داستانِ مجاہد" کا عنوان دیکھ کر ہی تلملا اٹھتا اور کہتا : "نسیم صاحب! آپ کس زمانے کی باتیں کرتے ہیں؟ یہ ترقی پسند ادب کا دور ہے اور ہم صرف ترقی پسند مصنفوں کی کتابیں شائع کرتے ہیں"[13]

اس کے بعد ناولوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس کی ہر کڑی پہلی سے زیادہ پر کشش اور پائیدار محسوس ہوتی ہے۔ یکے بعد دیگرے کتابیں آتی گئیں اور ان کے ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے گئے۔ جتنی کثرت سے نسیم حجازی کی کتابیں چھپیں برصغیر کا کوئی اور ناول نگار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا بھی یہی رائے رکھتے ہیں: ''اس کو دوست دشمن سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ نسیم صاحب ایک مقبول ترین مصنف ہیں۔ ان کی کتابیں جس ذوق شوق سے پڑھی جاتی ہیں برصغیر کا کوئی مصنف اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے دور کے Best Seller شمار کیے جاسکتے ہیں۔''[14] اسی بات کو شمیم اکرام الحق یوں بیان کرتے ہیں'': بقول ان کے پبلشر کے ان کی کتابوں کا بیسٹ سیلر کا ریکارڈ گزشتہ تیس سال سے اب تک قائم ہے۔''[15]

علاوہ ازیں بھارت میں نسیم حجازی کی کتب ان کی اجازت کے بغیر چھپتی رہی ہیں۔ ایک تو وہ سستے کاغذ پر چھپتی تھیں اور دوسرے ان پر مصنف کی رائلٹی نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت سستی ہوتی تھیں۔ پھر وہ سمگل ہو کر پاکستانی مارکیٹوں میں بکتی تھیں۔ نسیم حجازی کا کہنا ہے کہ پاکستان میں کاپی رائٹ کے قانون میں اس قدر اسقام موجود ہیں کہ بار بار دعوے کرنے کے باوجود ایسے لوگوں کے خلاف موثر کارروائی نہیں ہو سکی۔ نسیم حجازی کا کہنا ہے کہ اب تو بات اس سے بھی بڑھ چکی ہے کہ جعلی ایڈیشنوں کی اشاعت کے علاوہ ان کے نام سے جعلی کتب بھی شائع ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ یہ ۱۹۶۸ء کی بات ہے جب نسیم حجازی لکھتے ہیں'': کوئی چار سال قبل میرے پبلشر ملک محمد عارف صاحب اجمیر شریف اور دہلی کی زیارت سے واپس آئے تو ان کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ بھارت میں میری اصلی تصانیف کے علاوہ ''بغاوت'' اور ''خاکِ خیبر'' کے نام سے دو جعلی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک دوست نے کراچی کے کسی دوکاندار سے ''بغاوت'' کی ایک جلد خرید کر مجھے بھیج دی۔ یہ کتاب اس قدر لغو ہے کہ میرے لیے اس کی چند سطور بھی پڑھ لینا ایک بڑی سزا سے کم نہیں۔ چند ماہ قبل مجھے اطلاع ملی تھی کہ بھارت میں میرے نام سے شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد چار تک پہنچ چکی ہے اور اب ایک نئی اطلاع کے مطابق ''قافلہ حجاز'' جس کا مسودہ ابھی تک پاکستان میں کتابت کے مراحل طے کر رہا ہے، ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔[16] اس بات کو ڈاکٹر تصدق حسین راجا نے یوں لکھا ہے'': ہندوستان میں ان کے نام سے جعلی کتابیں چھپنے لگیں۔ انڈیا جو لوگ جاتے تھے وہ اطلاع لاتے تھے کہ وہاں کے بعض مصنف خود کتابیں لکھ کر نسیم صاحب کے نام سے شائع کرتے ہیں اور کمائی کرتے ہیں۔''[17]

جس مصنف کی شہرت و مقبولیت کا یہ عالم ہو اس کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرتے ہوئے سنار کی بجائے لوہار کا پیمانہ چاہیے اور اس کا ادبی وزن کرنے کے لیے گراموں کا نہیں منوں کا حساب رکھ لینا بہتر ہو گا۔ نسیم حجازی کو کسی بھی کسوٹی پر پرکھیں، وہ اسی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔ مثلاً مندرجہ بالا تمام معیارات کو چھوڑ کر اعزاز و تمغہ کی زبان میں بات کی جائے تو بھی وہ کم عیار نہیں نکلتے۔ انہیں حکومتی ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے شمیم اکرام الحق رقم طراز ہیں: ''نسیم حجازی کو ان کی گرانقدر خدمات کے صلے میں پرائڈ آف پرفارمنس مل چکا ہے۔ ان کے ناول ''خاک اور خون'' پر مبنی ٹی وی سیریل پر انہیں بہترین مصنف اور مکالمہ نگار کے ایوارڈز بھی ملے لیکن نسیم حجازی کا اصل ایوارڈ قبولِ عام ہے۔''[18]

نسیم حجازی کے ناول دیگر فنی و فکری خصوصیات کے علاوہ اپنی تاریخیت کے حوالے سے بہت خاصے کی چیزیں ہیں۔ ان کے ہاں کہانی، تاریخ اور تحقیق کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ تصدق حسین راجا بھی اس رائے سے متفق ہیں: ''ان کے ناولوں کی خصوصیت بیان کرنی ہو تو کہا جائے گا کہ ان میں کہانی تاریخ اور تحقیق کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔''[19]

ضروری محسوس ہوتا ہے کہ نسیم حجازی کے فنِ ناول نگاری کو اردو کے دیگر ناول نگاروں کے مقابل رکھ کر ایک جھلک دیکھی جائے۔ اس سمت میں ایک اہم نام علامہ راشد الخیری کا ہے لیکن اس کے ساتھ نسیم حجازی کا کوئی جوڑ نہیں بنتا کیوں کہ راشد الخیری کے ہاں اشک فشانی اور رقت آمیزی ہے جب کہ نسیم حجازی کے ہاں جذبہ، تشویق اور فکری روشنی ملتی ہے۔ تاہم ڈپٹی نذیر احمد کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جاسکتا ہے کیوں کہ دونوں میں معاشرتی اصلاح جزوِ مشترک ہے لیکن یہاں بھی نسیم حجازی کا تاریخی شعور انہیں نذیر احمد سے بہت آگے لے جاتا ہے۔ اردو ناول نگاری میں ایک بڑا نام مرزا ہادی رسوا ہے لیکن نسیم حجازی کا موازنہ ان سے بھی نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ مرزا رسوا زوال آمادہ معاشرت کو پرکشش بنانے اور تعیش کے مجلسی آداب کو مطمحِ نظر رکھنے میں کوشاں ہیں جب کہ نسیم حجازی زوال کے اسباب کا سراغ لگا کر عروج کے لیے سخت کوشی کا نقشہ مرتب اور نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ صرف پریم چند، قرۃ العین حیدر اور نسیم حجازی کو فنی ہمسائیگی کا رتبہ حاصل ہے۔ ان کے درمیان شخصی فرق ضرور ہے کہ پریم چند معاشرتی ناول نگار ہیں اور قرۃ العین حیدر کا انداز فلسفیانہ اور نیم تاریخی ہے جب کہ نسیم حجازی خالص تاریخی ناول نگار ہیں۔ ڈاکٹر عبد المغنی بھی ایسی ہی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں": یہی وہ تین ناول نگار ہیں جنہوں نے اپنا ایک نظامِ فن ترتیب دے کر اپنی افسانوی مخلوقات کی ایک نئی دنیا بسائی ہے اور ناول کی تکنیک کے لحاظ سے ان کی فن کاری بھی اعلیٰ درجے کی ہے، اگرچہ ان کے موضوعات بھی مختلف ہیں اور اسالیب بھی۔ پریم چند تو ایک معاشرتی ناول نگار ہیں جب کہ قرۃ العین حیدر کا عمرانی مطالعہ نیم تاریخی، فلسفیانہ اور نیم صوفیانہ ہے۔ ان دونوں کے مقابلے میں نسیم حجازی خالص تاریخی ناول نگار ہیں جن کے محرکات و مقاصد دینی اور خلاقی ہیں۔"[20]

انگریزی ادب میں والٹر اسکاٹ سے بڑا کوئی تاریخی ناول نگار پیدا نہیں ہوا لیکن تاریخی تحقیق کے حوالے سے وہ بھی نسیم حجازی کا ہم پلہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبد المغنی، نسیم حجازی کا والٹر اسکاٹ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں": خود انگریز ناقدین تسلیم کرتے ہیں کہ واقعات کی جستجو اور ہیئتِ فن کی تشکیل دونوں میں اس کے یہاں خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن کا اثر اس کی شہرت پر بھی پڑا ہے۔ اس کے بر خلاف نسیم حجازی نے کوئی تاریخی حصہ بلا تحقیق نہیں بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ میں افسانوی رنگ آمیزی سے احتراز کیا ہے جب کہ ناول نگاری کا جو ہیولا انہوں نے مرتب کیا ہے وہ اس صنفِ ادب کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔"[21]

نسیم حجازی کے ناولوں کے حوالے سے ان کے سنجیدہ قارئین کی آراء بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک بشریٰ متین، وائس چانسلر لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی لاہور، ہیں۔ ان کا کہنا ہے": نسیم حجازی کے ناولوں کو بہت زیادہ پڑھا۔"[22] نسیم حجازی کے ناولوں میں کوئی بڑی بات ضرور ہے جو اس قدر اہلِ علم افراد بھی انہیں بہت زیادہ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح عظیم اسلامی مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:"میرے نزدیک نسیم صاحب نے یہ کتابیں لکھ کر ملت کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔"[23]

دلائل و براہین پر مبنی اس سیر حاصل بحث کے بعد بھی بعض "ماہرینِ فن" نسیم حجازی کو رجعت پسند اور بنیاد پرست قرار دیں تو ان کی مرضی، بصورتِ دیگر عوامی، حکومتی اور مختلف طبقات میں قبولِ عام کے حوالے سے آج بھی کوئی اردو ادیب نسیم حجازی سے آگے نہیں ہے۔ ہم ناقدینِ ادب کو دعوتِ عام دیتے ہیں کہ وہ نسیم حجازی کے تاریخی ناولوں خصوصاً "آخری معرکہ" اور "انسان اور دیوتا" جیسے اعلیٰ درجے کے پلاٹ، ابو داؤد اور رنبیر جیسے زندہ کردار، جملہ ناولوں کے مکالمے، منظر نگاری، نقشہ کشی

اور جذبات نگاری (خصوصاً ''انسان اور دیوتا''، ''آخری چٹان'' اور ''خاک اور خون'' کے حوالے سے) وغیرہ کو کسی بھی بڑے ناول نگار کے مقابل رکھ کر دیکھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ناقدین کی یہ محنت رائگاں نہیں جائے گی اور اس کے اختتام پر نسیم حجازی کے متعلق ان کی بدلی ہوئی رائے سامنے آئے گی۔

نسیم حجازی بحیثیت صحافی وسیاسی دانش ور

نسیم حجازی کی صحافت ''زمانہ'' کراچی سے شروع ہو کر ''کوہستان'' راول پنڈی تک پھیلی ہوئی ہے۔ ''تنظیم'' کوئٹہ ان کے راستے کی ایک اہم منزل ہے۔ راول پنڈی میں پہلے روزنامہ ''تعمیر'' اور اس کے بعد اپنے روزنامہ ''کوہستان'' میں ان کی گراں قدر صحافتی خدمات موجود ہیں۔ کوہستان اور نسیم حجازی دراصل ایک ہی حقیقت کے دونام ہیں۔ نسیم حجازی طاؤس ورباب کی بجائے شمشیر وسناں کے حامی ہیں۔ ان کے خیال میں قوم کو مائل بہ عروج کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے جدوجہد کا خوگر بنایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اخباری وصحافتی تحریروں میں یہ پیغام عام ہے۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا قومی زندگی کے متعلق نسیم حجازی کے اس نظریے کی بات اس انداز میں کرتے ہیں'': انشاء اللہ اس وطنِ عزیز میں ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب طاؤس و رباب کی باتیں کرنے والوں پر شمشیر وسناں کی باتیں کرنے والا سبقت لے جائے گا۔ اس لیے کہ طارق، محمود، صلاح الدین اور ٹیپو جیسے مجاہدین اسلام کے نقشِ قدم پر چلنے والے نوجوانوں کو جنم دینے والی کتاب کا اس کتاب سے کوئی تقابل نہیں جسے پڑھ کر عشق ومحبت کی محرومیوں میں اضافہ ہوتا ہو اور اچھے بھلے صحت مند نوجوان گوشۂ تنہائی میں بیٹھے آنسو بہاتے ملیں......''[24]

'' شمشیر وسناں اول، طاؤس ورباب آخر'' کا یہ اقبالی نظریہ آفاقی ہے۔ اس کا کسی دوسرے نظریے کے ساتھ موازنہ کرنے کی کوشش کرنا محض کارِ بے سود ہوگا۔ اقبالؒ جیسی بلند سوچ کا مالک شخص عام ذہنی سطح کے مالک انسان کے مقابلے میں بہت آگے تک دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ نسیم حجازی جملہ صحافتی اوصاف سے متصف تھے۔ جدت پسندی اچھے صحافی کے اوصاف میں سے اہم وصف ہے اور یہ ان کی جدت پسندی تھی کہ وہ ''کوہستان'' کو بہت جلد لیتھو سے آفسٹ پر لے آئے۔ پہلے کچھ عرصے تک علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ سے آفسٹ پر چھپواتے رہے لیکن ۱۹۶۰ء میں کوہستان کی اپنی چھ مشینیں آگئیں۔[25] اس کے بعد ''کوہستان'' نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ بہت جلد پورے ملک میں صرف ایک اردو اخبار یعنی روزنامہ ''جنگ'' کراچی اس کا مدِ مقابل رہ گیا۔ نسیم حجازی کی صحافیانہ قابلیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی زیر نگرانی روزنامہ ''کوہستان'' کا پہلا پرچہ ۱۴/۱۹۵۳ء کو جاری ہوا جس کی اشاعت صرف ۵۰۰۰ تھی۔[26] پھر اس کا اجراء ۲۳/۱۹۵۶ء کو لاہور اور ۲۱/اپریل ۱۹۵۸ء کو ملتان سے ہوا جب کہ ''کوہستان'' کے عروج کا زمانہ ۶۳۔۱۹۶۲ء ہے۔[27] اس قدر تیز رفتاری سے ترقی کی منازل طے کرنے والے اخبار کا نگرانِ اعلیٰ یقیناً غیر معمولی صحافتی لیاقت کا مالک ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ ''کوہستان'' پر نسیم حجازی کے دیرپا اثرات بھی اس کی صحافیانہ عظمت کا ثبوت ہیں۔ شہرین فاروقی کی یہ رائے ''کوہستان'' کے آخری زمانے تک اس پر نسیم حجازی کی چھاپ کی موجودگی کی تائید کرتی ہے'': ۱۹۶۶ء تک روزنامہ کوہستان نسیم حجازی صاحب کی نگرانی میں اسلام دوست اخبار کی حیثیت سے شائع ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کی یہ خوبی آخر تک برقرار رہی جو واقعی ایک قابلِ تعریف بات تھی۔''[28] کسی اخبار کی خصوصیات کا اس کے چلانے والے کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا ہے۔ ''کوہستان'' کی چیدہ چیدہ خصوصیات میں اسلام اور پاکستان سے محبت، سادہ اندازِ بیاں، پاکستانی معاشرے کے لیے ہمہ جہت فیض رسانی اور پھکڑپن سے کنارہ کشی ہیں۔ یہ امر لازم ہے کہ یہ

خصوصیات نسیم حجازی کی صحافیانہ فکر کا پرتو ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو صحافت پر "کوہستان" نے مستقل اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس بات کو شہرین فاروقی یوں بیان کرتی ہیں": کوہستان نے اردو صحافت پر مستقل اثرات ثبت کیے ہیں، اس کا زوال افسوس ناک تھا۔"[29] اس طرح یہ کہنا ضروری ہو جاتا ہے کہ نسیم حجازی نے نہ صرف "کوہستان" بلکہ اردو صحافت کو بلندیوں سے روشناس کرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہرین فاروقی، نسیم حجازی کی صحافتی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے رائے دیتی ہیں": جب تک یہ اخبار نسیم حجازی صاحب کی زیر نگرانی رہا اور اس کو جناب عنایت اللہ صاحب مرحوم کی سرپرستی حاصل رہی تو یہ اخبار بہت کامیاب رہا مگر رفتہ رفتہ اس کو زوال آتا گیا۔"[30]

اس کثیر الاشاعت اخبار میں تمام تر نظریاتی رہنمائی نسیم حجازی اور فنی مہارت عنایت اللہ کی تھی۔ نسیم حجازی کا تعلق کوہستان کے ساتھ پالیسی سازی اور اداریے لکھنے کی حد تک تھا اور یہی دو چیزیں ہیں جو کسی اخبار کی اصل ہوتی ہیں اور موقع بے موقع حکومتی "نزلہ" انہی پر گرتا ہے۔ وہ قیامِ ایبٹ آباد کے دوران میں اکثر اوقات اپنے اداریے اور مضامین ٹیلی فون پر املا کرایا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس بات کو نسیم حجازی کی "کوہستان" میں کم تر دلچسپی سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً شہرین فاروقی "کوہستان" کے زوال کے اسباب گنواتے ہوئے لکھتی ہیں": حجازی صاحب پہلے ہی دل چسپی کم لیتے تھے اور اخبار ان کی شہرت کی وجہ سے ان کے نام سے نکلتا تھا۔ وہ کبھی کبھار اداریہ لکھ دیا کرتے تھے مگر ان کا اداریہ ان کے نام کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ در حقیقت زیادہ محنت عنایت اللہ صاحب کی تھی۔"[31]

یہاں مقالہ نگار نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نسیم حجازی صحافت کو سنجیدگی سے نہیں لیتے تھے۔ یہ بات درست نہیں ہے اور "کوہستان" کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ نسیم حجازی کے اداریے یا مضمون کے بغیر کوہستان خال خال ہی چھپتا تھا۔ اس بات کا بڑا ثبوت ایک بظاہر غیر متعلق موضوع پر لکھتے ہوئے نسیم حجازی کا یہ بیان ہے": مدتوں ایک صحافی کی حیثیت سے بلا مبالغہ ہزاروں صفحات لکھے ہیں۔"[32] اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے وہ جز وقتی ہونے کے باوجود بڑے صحافی تھے اور بسیار نویسی ان کا معمول تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی درست محسوس نہیں ہوتی کہ انہوں نے کوہستان کو حکومتی دبائو اور دھمکیوں سے مرعوب ہو کر بیچ دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ کنونشن لیگ اور ایوب انتظامیہ کا ان پر شدید دبائو تھا لیکن نسیم حجازی کی زندگی کا ریکارڈ گواہ ہے کہ وہ جھکنے والے نہیں تھے۔ حقیقت میں اخبار بیچنے کی ایک اور وجہ بھی تھی اور وہ یہ کہ اختلافات پیدا ہونے کے بعد عنایت اللہ کوہستان سے نہ صرف الگ ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے مقابلے میں روزنامہ "مشرق" بھی جاری کر دیا تھا۔ شہرین فاروقی نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے۔[33] اس طرح ایک طرف "کوہستان" ایک بڑے ماہر فن سے محروم ہو گیا تھا اور خود نسیم حجازی کی حیثیت جرنیل کی تھی سپاہی کی نہیں، اس لیے نسیم حجازی کوہستان کو موثر طور پر نہ چلا سکے۔ دوسری طرف ان کے بھانجے غلام اکبر جیسے اہم افراد بھی حکومتی دباو کے زیر اثر کوہستان سے کنارہ کشی کا رجحان ظاہر کر رہے تھے۔ ان حالات میں نسیم حجازی سمجھتے تھے کہ وہ تاریخی ناول نگاری کا عظیم مشن ترک کر کے بھی اتنے بڑے روزنامے کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں چلا سکیں گے۔ اس طرح کوہستان کے بکنے میں دھمکیوں اور دبائو سے کہیں زیادہ ٹیم کی کمی کا عنصر کارفرما دکھائی دیتا ہے۔

شہرین فاروقی نے ایک اور بات بھی لکھی ہے کہ نسیم حجازی، عنایت اللہ کے مقابلے میں کم تر درجے کے صحافی تھے۔ شہرین نے عنایت اللہ کے نکلتے ہی کوہستان کے زوال کو اس بات کی بنیاد بنایا ہے۔ اس کے علاوہ وہ دلیل پیش کرتی ہیں کہ کوہستان میں "میر صاحب" کے نام سے جو شہرۂ آفاق کارٹون شائع ہوتا تھا، وہ مشرق میں بھی چھپنے لگا تھا۔ اس سے تنازع کھڑا ہو گیا تھا کہ اصلی

"میر صاحب" کون سا ہے؟ اس میں بھی جیت عنایت اللہ کے "مشرق" کی ہوئی اور کوہستان نے "قاضی جی" کے عنوان سے کارٹون چھاپنا شروع کر دیا۔[34] یہ دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن عنایت اللہ اور نسیم حجازی کے صحافتی مقام و مرتبے کا تعین کرنے کے لیے یہ بنیاد ناکافی ہے۔ خود شہرین فاروقی کی تحقیق ہے کہ نسیم حجازی، "کوہستان" کے نگرانِ اعلیٰ تھے اور عنایت اللہ اس کے پبلشر تھے اور یہ سچ ہے۔ یعنی کوہستان، نسیم حجازی کے نظریاتی فہم کے بغیر چل سکتا تھا، نہ عنایت اللہ کی فنی مہارت کے بغیر۔ پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر نسیم حجازی اخبار کو چھوڑ جاتے تو وہ صرف عنایت اللہ کی موجودگی کی وجہ سے پوری آب و تاب کے ساتھ چلتا رہتا؟ عنایت اللہ نے کوہستان کے بعد بھی کئی اخبار چلا کر دیکھ لیے جو بالآخر ناکام ہو گئے جب کہ نسیم حجازی کا سارا خانوادہ یا اس کے بہت سے افراد آج بھی راول پنڈی، ایبٹ آباد، مظفر آباد اور میر پور (آزاد کشمیر) وغیرہ سے کئی اخبار نکال رہے ہیں۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نسیم حجازی نے "کوہستان" کے بعد بھی صحافتی سرگرمیوں کو کسی نہ کسی صورت میں جاری رکھا۔ مثلاً انہوں نے لاہور سے ہفت روزہ "ملتِ پاک" جاری کیا۔ اگرچہ یہ اخبار زیادہ دیر نہ چل سکا لیکن اس کاوش سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ نسیم حجازی صحافی سے زیادہ ادیب تھے جن سے ایک اچھا اخبار تو چھینا جا سکتا ہے لیکن اچھا قلم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر انور سدید نے نسیم حجازی کو بڑا صحافی اور سیاسی دانش ور تسلیم کیا ہے۔ وہ معروف بلوچ سردار جہانگیر شاہ جوگیزئی کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں: "جہانگیر جوگیزئی نے کہا کہ نسیم حجازی نہیں مرا، پاکستان کا ایک بہت بڑا ذہن مر گیا ہے۔"[35]

تحریکِ پاکستان کے جری سپاہی شہزادہ جہانگیر شاہ جوگیزئی کے اس بیان کے بعد نسیم حجازی کے صحافتی و سیاسی مقام و مرتبے کے تعین کے لیے مزید دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ بلوچستان کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے علاوہ سیاسی، صحافتی اور ملکی و ملی حوالے سے نسیم حجازی کی خدمات کا کماحقہٗ ادراک رکھتے تھے۔

نسیم حجازی بحیثیت طنز و مزاح نگار

نسیم حجازی کی کوئی تحریر ایسی نہیں ہے جو طنز و مزاح سے خالی ہو۔ ان کی عام تحریروں میں مزاح کم اور طنز زیادہ ہے۔ نسیم حجازی کی چار مستقل تصانیف طنز و مزاح پر ہیں۔ انہیں پڑھتے ہوئے قاری کے چہرے پر بعض اوقات کرب انگیز مسکراہٹ اور کبھی کبھی قہقہوں کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب "سو سال بعد" ہے۔ اس میں ہندوئوں کے جیو ہتیا، اہنسا اور پرمودھرما جیسے مذہبی عقائد پر بھرپور طنز کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ تقسیمِ برصغیر کے سو سال بعد بھارت میں انسانوں کو جانوروں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لیے بستیوں اور شہروں کے گرد مضبوط دیواریں اور وسیع و عریض خندقیں کھودی جاتی ہیں۔ دوسری طرف ہندوئوں کے مسلم کُش نظریات کو نشانہ بنایا گیا ہے کہ وہ بے شمار دولت اور محنت صرف کر کے پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ میلوں لمبی دیوار بناتے اور گودام تعمیر کرتے ہیں۔ پھر ان میں لاتعداد جانور پالتے ہیں اور ایک وقت پر وہ اس دیوار کو بارود سے اڑاتے اور بے شمار جانوروں کو توپوں کی فائرنگ سے پاکستان کی طرف ہانک دیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو ان کے ملک سمیت تباہ و برباد کر دیا جائے لیکن حکومتِ پاکستان کی مستعدی کے باعث ہندو کا یہ وار خالی جاتا ہے۔ یہاں ہندوئوں کے ہاں بے شمار جانوروں کی افزائش پر تو درست طور پر روشنی پڑتی ہے لیکن پاکستان کی حکومتوں سے نسیم حجازی کی توقعات محض دیوانے کا خواب ثابت ہوئیں اور پاکستان روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتا ہوا آج دوسروں کی امداد کے سہارے زندہ ہے۔ آج کے دور میں

نسیم حجازی زندہ ہوتے تو نجانے ان پر کیا گزرتی ؟ یہ بات سامنے آچکی ہے کہ سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد نسیم حجازی طبیعی طور پر افسردہ رہنے لگے تھے۔

طنز و مزاح پر نسیم حجازی کی دوسری کتاب "سفید جزیرہ" ہے۔ اس میں انہوں نے اسکندر مرزا کی سیاسی بد عنوانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ وہ نہایت مضحکہ خیز انداز میں ان کی سیاسی چالوں اور حکومتی دورانیہ بڑھانے کے حیلوں پر چوٹ کرتے ہیں۔ ملک میں سیاسی جماعتیں بنانا، ان کے درمیان مخالفت کو تقویت دینا، بار بار وزارتیں تبدیل کرنا، فلور کراسنگ کے لیے باقاعدہ سہولتیں مہیا کرنا اور ہر پارٹی کے سربراہ کو آئندہ وزارت کی دعوت دینے کا سبز باغ دکھانا وغیرہ وہ مناظر ہیں جن سے قاری نہ صرف محظوظ ہوتا ہے بلکہ پاکستانی قاری اپنے ملک کا خیال آتے ہی کرب کی ٹیسیں بھی محسوس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ عوام کو مہنگائی کے عذاب سے اس قدر پریشان رکھنا کہ وہ کبھی حکومتی معاملات کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں، سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ پاکستانی سیاست کے یہ افسوس ناک کھیل اب تک حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آچکے ہیں۔ بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ صرف سکندر مرزا نہیں بلکہ پاکستان کے اکثر حکمران کنگ سائمن کی طرح نازل ہوتے رہے۔ مثال کے طور پر ۱۲/اکتوبر، ۱۹۹۹ء کو بھی ایک "کنگ سائمن" ہمارے "سفید جزیرے" میں باقاعدہ "نازل" ہوا اور سیاسی شعور سے عاری اس قوم میں برسوں تک نسیم حجازی کی کتاب "سفید جزیرہ" کے مناظر دکھائی دیتے رہے۔ یہ کتنا بڑا سچ ہے جس کی پیش گوئی نسیم حجازی برسوں پہلے کر گئے تھے۔

نسیم حجازی کی اس نوعیت کی تیسری کتاب "ثقافت کی تلاش" ہے جس میں انہوں نے نام نہاد ترقی پسندوں کے لتے لیے ہیں اور خود اس کتاب کو ایک "قہقہہ" قرار دیا ہے۔ انہوں نے ترقی پسند مصنفین کی اسلام مخالف سرگرمیوں کا مذاق اڑایا ہے جو وہ "ثقافت" کی آڑ میں جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس کتاب کے کردار کامریڈ نمبر ۹ اور کامریڈ نمبر ۱۰ کی حماقتیں قاری کو ہنسی سے لوٹ پوٹ کر دیتی ہیں۔ اس تصنیف میں واقعاتی، کرداری اور مکالماتی مزاح کے بہترین نمونے موجود ہیں لیکن ہم توجہ سے دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ نسیم حجازی کے زمانے کے ترقی پسند مصنفین بہت بہتر تھے کہ وہ اہم نظریے کے لیے لڑنے اور جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے لیکن آج کا ہر ترقی پسند اور ہر اسلام پسند منافقت کے علاوہ کچھ نہیں کر رہا گویا اب بے چہرگی کا بد ترین زمانہ ہے۔ اچھا ہوا کہ نسیم حجازی اس سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس موضوع پر نسیم حجازی کی چوتھی کتاب "پورس کے ہاتھی" ہے۔ اس میں انہوں نے ستمبر، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کو موضوع بنایا ہے۔ اس میں بھارتی ٹینکوں کو راجا پورس کے تاریخی ہاتھیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ بالکل اسی طرح بھارتی ٹینک اپنی ہی فوج پر گولا باری کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگ گئے جس طرح راجا پورس کے ہاتھی بدحواس ہو کر بھاگتے ہوئے اپنی فوج کو کچل گئے تھے نیز اس کے نتیجے میں بھارت کو اسی قدر بڑی شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے جس قدر کہ راجا پورس کو ہونا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ ہندو لیڈروں کی خندہ خیز جنگی منصوبہ سازی، پورس اور ہاتھی کے نام سے بدکنا اور الجھنا وغیرہ ایسے واقعات ہیں کہ قاری کھلکھلا کر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خاص طور پر وہ مناظر طنز و مزاح کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہے ہیں جن میں طاقت کے نشے میں چور چھوٹے قد کا ہندوستانی وزیرِ اعظم جنگ سے پہلے خود کو اپنے سیکریٹری کی زبان سے ہٹلر، نپولین اور ونسٹن چرچل کے برابر قد کاٹھ کا مالک قرار دلواتا ہے لیکن جب شکستِ فاش کے بعد انہی عالمی رہنماؤں کے نام لیتا ہے تو اس کا سیکریٹری ہاتھ جوڑتے ہوئے اسے راجا پورس قرار دیتا ہے۔

ان چار با قاعدہ کتب کے علاوہ بھی نسیم حجازی اپنے ناولوں میں طنز و مزاح کی بہترین صورت پیدا کرتے ہیں۔ یوں تو اس کی مثالیں ہر ناول سے دی جاسکتی ہیں لیکن "آخری چٹان"، "یوسف بن تاشفین" اور "خاک اور خون" مزاحیہ حصوں کی بہترین مثالیں ہیں۔ نسیم حجازی صورتِ واقعہ اور مزاحیہ کرداروں سے مزاح پیدا کرتے اور ناول میں الم ناک کیفیت کو کم کرنے کا کام لیتے ہیں۔

اس بات کا دوٹوک تعین کرنا مشکل ہے کہ نسیم حجازی کا اردو ادب کے طنز و مزاح میں کون سا درجہ بنتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ اس کے لیے اردو کے طنز نگاروں کے درجات کو سعودی کے بجائے نزولی ترتیب سے گننا نسبتاً کم مشقت طلب ہو گا۔ نسیم حجازی کی تحریروں میں سے درجنوں اقتباسات بطورِ نمونہ پیش کیے جاسکتے ہیں جس کے بعد یہ کہنے میں باک نہیں ہو گا کہ اگر اردو کے طنزیہ و مزاحیہ ادب میں نسیم حجازی کا مقام و مرتبہ پطرس بخاری اور مشتاق احمد یوسفی کے برابر نہیں تو لگ بھگ ضرور ہے۔ اس رائے کا دوسرا اہم حصہ یہ ہے کہ اردو میں طنز و مزاح کے ان شہ سواروں کی طرح اگر نسیم حجازی بھی محض ظرافت نویسی تک محدود ہوتے تو ان کے مقام کے تعین میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی۔ دراصل نسیم حجازی کی کثیر الجہات بسیار نویسی نے ان کا یہ ادبی پہلو اپنی ہی ذات کی سطح پر تیسرے درجے کا بنا دیا ہے۔ ورنہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ نسیم حجازی کے ہاں طنز و مزاح نگاری کا فطری رجحان کسی طرح بھی مشاہیر سے کم نہیں۔ راقم کی پختہ رائے ہے کہ اگر وہ ناول نگاری کو مقصدِ حیات بنانے کے ساتھ ساتھ صحافت کے خارزار میں نہ اترتے تو اردو کے سب سے بڑے مزاح نگار ہوتے اور اس میدان کے بڑے بڑے شہ سوار ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے ہوئے دکھائی دیتے۔

نسیم حجازی بحیثیت سفر نامہ نگار

نسیم حجازی بنیادی طور پر سفر نامہ نگار کی بجائے تاریخی ناول نگار ہیں۔ اس کے بعد ان کا زیادہ سے زیادہ زورِ قلم میدانِ صحافت میں صرف ہوا ہے۔ یہی دو میدان ہیں جن سے زندگی بھر ان کا جی نہیں بھرا۔ مزید براں وقتاً فوقتاً طنز و مزاح بھی لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے "پاکستان سے دیارِ حرم تک" کے عنوان سے ایک سفر نامہ بھی تحریر کیا ہے جو ادبی سے زیادہ جذباتی لگن کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

نسیم حجازی کی یہ کتاب اس سفر کے تاثرات پر مبنی ہے جو انہوں نے صدر ایوب خان کے ہمراہ ایک صحافی کی حیثیت سے اختیار کیا تھا۔ اس میں انہوں نے ایران، ترکی اور سعودی عرب کے سفر کے تاثرات کو کمال روانی، سلاست اور سادگی کے ساتھ لکھا ہے۔ پیشہ ورانہ سفر نامہ نگار نہ ہونے کے باوجود ان کے اس سفر نامے میں وہ سب چیزیں موجود ہیں جو سفر نامے کے لوازم سمجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے اس میں لاہور سے شروع کر کے کراچی، تہران، مشہد، اصفہان، پرسی پوس، انقرہ، استنبول، بیروت، جدہ، مکہ، مدینہ اور ظہران کی آخری منزل تک کی تمام تفصیلات بھر دی ہیں۔ انہیں اپنے سفر نامے میں جس چیز کی کمی کا احساس ہے وہ جذبات کی گہرائی ہے۔ واضح رہے کہ اس چیز کا تعلق صرف حجازِ مقدس کے سفر اور زیارتوں والے حصے سے ہے، باقی کتاب سے نہیں۔

نسیم حجازی کے سفر نامے میں سے ایسے درجنوں اقتباسات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، معاشرتی، مذہبی، تعلیمی، ثقافتی، نظریاتی غرض ایران، ترکی اور سعودی عرب کی قومی اور انفرادی زندگی کا کوئی پہلو پردۂ اخفا میں نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے وہاں کی عمارات کی پیمائشوں، لوگوں کی ذہنی و نفسیاتی الجھنوں،

فیکٹریوں کے ملازمین اور تعلیمی اداروں میں طلبا و طالبات کی تعداد، لوگوں کے مزاج، حتیٰ کہ اخلاقی بناؤ اور بگاڑ کے وسائل و مسائل تک کا مفصل ذکر کر دیا ہے۔ کسی سفر نامے میں جو کچھ ہو سکتا ہے وہ سب کچھ "پاکستان سے دیارِ حرم تک" میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ جو خاص چیز یہاں موجود ہے وہ نسیم حجازی کا تاریخی شعور ہے جس کے تحت انہوں نے ان اسلامی ممالک کے شاندار ماضی کے چہرے سے پردے ہٹائے ہیں۔ وہ ان کی ہر بڑی عمارت، سیاسی عمل، انقلاب اور نظریات کی جامع و مختصر تاریخ لکھتے چلے گئے ہیں۔ نسیم حجازی نے کتاب کے آخر میں "عرب کا حال اور مستقبل" کے عنوان کے تحت ایک جامع شذرہ تحریر کر کے اپنے تاریخی شعور کی تشفی کی ہے اور عربوں کے ماضی، حال اور مستقبل کے حوالے سے قاری کی رائے پر بھی خاطر خواہ اثر ڈالا ہے۔

یہ سچ ہے کہ سفر نامہ نگاری میں نسیم حجازی کا مقام و مرتبہ ابنِ انشاء یا بیگم اختر ریاض الدین کے برابر نہیں ہے لیکن بہت کم تر بھی نہیں۔ نیز جتنا فرق محسوس ہوتا ہے اس میں بہت کچھ حصہ ان کے اسلوب کا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ قاری کو سفر نامے میں شگفتہ اسلوب مطلوب ہوتا ہے جس میں دل کشی اور معلومات کے علاوہ حرکت پذیری کا عنصر نمایاں ہو اور یہ چیز ہر اچھے سفر نامہ نگار کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ نسیم حجازی کا تاریخی اسلوب ان کے سفر نامے میں حرکت پذیری کو قدرے سست رفتار بناتا ہے اور یہ حرکت تیزی سے ارضیاتی تھان بدلنے کے بجائے ذہنی سفر کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اس سے کلاسیکیت پسند قاری لطف اٹھاتا ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نسیم حجازی کا سب سے پہلا اور بڑا حوالہ تاریخی ناول نگاری ہے جس میں بلاشبہ اردو ادب میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہیں ہے۔ ان کا دوسرا بڑا حوالہ صحافت و سیاست ہے۔ ان کی صحافت اور سیاست کو باہم الگ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ان کا سیاسی نظریہ "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" ہے۔ راقم کی یہ پختہ رائے ہے کہ نسیم حجازی اپنے دور میں اردو کے سب سے بڑے صحافی تھے۔ زیرِ نظر مضمون میں کئی اقتباسات کے حوالے سے ان کے صحافتی قد کاٹھ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نسیم حجازی کا تیسرا بڑا حوالہ ان کی طنز و مزاح نگاری ہے۔ اس پر بھی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اس "برادری" میں صاحب کلاہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا آخری حوالہ جو باقاعدہ شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ سفر نامہ نگار کی حیثیت ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وہ ثقہ قسم کے سفر نامہ نگار نہیں تھے لیکن خداداد ادبی لیاقت کے بل بوتے پر وہ اس میدان کے بھی مرد قرار پاتے ہیں۔

اب تک ہم نے نسیم حجازی کی ادبی شخصیت کے مختلف گوشوں کی الگ الگ تصاویر دیکھی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان تمام تصاویر کو ملا کر دیکھا جائے کہ وہ اپنے پورے ڈیل ڈول کے ساتھ کیسے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان کے نظریۂ ادب کی طرف توجہ دینا بہتر ہو گا۔ یہ طے ہے نسیم حجازی ادب برائے مقصد کے قائل ہیں، ادب برائے ادب کے نہیں۔ اس کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا مقصد ہے جو ساری زندگی ان کے پیشِ نظر رہا۔ نسیم حجازی جذبۂ جاں نثاری و حب الوطنی کا خالق ہے۔ وہ مسلمان نوجوانوں کی کردار سازی کو مقصدِ قلم فرسائی سمجھتے ہیں۔ اب یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ لکھنے پڑھنے کا یہ عظیم ترین مقصد اپنے حامل کو عظیم ترین درجے پر فائز کرنے کے لیے کافی ہے۔

فکر کے حوالے سے دیکھا جائے تو نسیم حجازی بے شمار مقامات پر اقبالؒ کے شارح دکھاتی دیتے ہیں۔ طاہرہ ناز نے "نسیم حجازی پر علامہ اقبالؒ کے اثرات" کے موضوع پر مقالہ لکھتے ہوئے سینکڑوں مثالیں پیش کر کے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچائی ہے کہ فلسفے اور پیرایۂ اظہار کے فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو نسیم حجازی اور علامہ اقبالؒ کا ادبی نظریہ ایک ہی ہے اور نسیم حجازی نے اپنے ناولوں میں اسی حقیقت کو پیش کیا ہے جسے علامہ اقبال نے اپنی شاعری، خطبات اور خطوط میں منکشف کیا تھا۔ نیز یہ کہ نسیم حجازی بھی اقبال کی طرح بھٹکے ہوئے "آہو" کو "سوئے حرم" لے جانا چاہتے ہیں۔ نسیم حجازی خود علامہ اقبال کی تعبیریں لکھنے کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے سوانحی ناول "پردیسی درخت" کے ہیرو کی زبان سے وہ اپنی اس سوچ کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اللہ نے مجھے قلم دیا ہے اور میں اپنے وقت سے بہت دور آگے دیکھ سکتا ہوں۔ میں پوری سنجیدگی اور دیانت سے علامہ اقبالؒ کے حسین سپنے کی تعبیریں لکھتا رہوں گا۔"[36]

اس اقتباس سے صاف نظر آتا ہے کہ نسیم حجازی نہ صرف فکرِ اقبالؒ سے متاثر تھے بلکہ اپنے تن، من، دھن کے ذریعے اقبالی فکر کی آب یاری کرنے کا عہد بھی کیے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبد المغنی، حجازی اور اقبالی "طلسم" کو اصولاً ایک جیسا قرار دیتے ہیں: حجازی کے فن کا طلسم، اقبال کی شاعری کے مانند، ان کی فکر کا قائم کیا ہوا ہے، اس لیے کہ یہ فکر اخلاقیات کی بہترین قدروں کے ساتھ ساتھ جمالیات کے بھی حسین ترین عناصر پر مشتمل ہے۔"[37]

ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے ایک طرف نسیم حجازی اور علامہ اقبالؒ کی فکری مماثلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری طرف دو عظیم فن کاروں کی فکری عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ فکر کے علاوہ نتائج کے حوالے سے بھی نسیم حجازی کا کام علامہ اقبالؒ کے کام سے میل کھاتا ہے۔ اس حوالے سے بھی ڈاکٹر عبد المغنی نے نسیم حجازی کو علامہ اقبالؒ کا ہم پلہ ادیب قرار دیا ہے": نسیم حجازی کے فن کا کارنامہ اردو ادب میں وہی ہے جو اقبالؒ کی شاعری کا ہے۔"[38] طاہرہ ناز کا تو حاصلِ مقالہ یہی ہے: " نسیم حجازی نے اپنے ناولوں میں ملتِ اسلامیہ اور اردو خواں دنیا کو وہی پیغام دیا ہے جسے علامہ اقبالؒ پیش کر چکے تھے۔"[39]

نسیم حجازی کی شہرت و مقبولیت کا اردو کے دوسرے ادیبوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بھی علامہ اقبالؒ کے علاوہ سب ان سے فروتر دکھائی دیتے ہیں۔ نسیم حجازی کے وسیع ترین حلقۂ اثر میں اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر شفیق احمد یہ رائے قائم کرتے ہیں": شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے مختلف شعراء، افسانہ نویسوں اور ناول نگاروں کا جائزہ لیا جائے تو شاید اقبالؒ کے بعد نسیم حجازی کا مرتبہ سب سے بلند رہے گا۔"[40]

اگر عوامی مقبولیت کے لحاظ سے نسیم حجازی کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی جائے تو بھی وہ اردو کے سب سے بڑے ادیب قرار پاتے ہیں لیکن اس بات پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ کسی ادیب کی عوامیت کے اعتبار سے اس کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنے والوں نے نظیر اکبر آبادی کو تو اس کے سوقیانہ اسلوب کے باوجود بڑا شاعر قرار دے دیا ہے لیکن اسی قدر عوامی مقبولیت رکھنے والا نسیم حجازی اپنے بہترین اسلوب کے باوجود انہیں نظر نہیں آیا۔ اس نکتے کو ڈاکٹر شفیق احمد نے بھی اپنے مضمون نے اٹھایا ہے: "مختلف مکاتیبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ناقدین کے علاوہ ان لوگوں نے بھی نسیم حجازی کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے جن کے نزدیک کسی ادیب یا شاعر کی عظمت کا واحد معیار عوام میں اس کی مقبولیت ہے اور جس کی وجہ سے نظیر اکبر آبادی کو اس کے " سوقیانہ مضامین" اور متبذل زبان" کے باوجود اعلیٰ درجہ کا فن کار قرار دیا گیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیم حجازی بیرونی نظریات و افکار اور فلسفے کا پرچار کرنیکی بجائے اسلام اور پاکستان کی بات کرتا ہے۔"[41]

بحث کو سمیٹتے ہوئے نسیم حجازی کے بے شمار قارئین میں سے چند اہلِ علم اور سنجیدہ قارئین کی آراء پر ایک نظر ڈالنا مفید رہے گا۔ معروف کالم و تجزیہ نگار بریگیڈیر گلزار احمد، نسیم حجازی کے فکر و فن کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”: اس صد ویک پہلو کے حامل مردِ مجاہد کی زندگی اور اس زندگی کے دوران سر انجام دیے ہوئے کارنامے لاتعداد ہی نہیں بلکہ ان کے نتائج اور اثرات حد درجہ دور رس ہیں اور اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔“[42]

شاعر و سابق چیف سیکرٹری جاوید قریشی سے انٹرویو کرتے ہوئے روزنامہ خبریں کی ٹیم نے ان کے خیال میں بڑے آدمی کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے ”: آپ نے بڑا آدمی کہا تو میں نسیم حجازی کو بڑا آدمی سمجھوں گا۔ نسیم حجازی کے پیرو بہت باصفا اور باکردار ہوتے تھے۔ تو ہم ان سے متاثر ہوئے تو وہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنا ضروری تھے۔ تو صاحب! نسیم حجازی ہو گئے، احسان دانش ہو گئے، یہ بڑے لوگ تھے۔“[43] پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبد القدیر خان، نسیم حجازی کے فکر و فن کا قائدِ اعظمؒ، علامہ اقبالؒ اور سر سیدؒ وغیرہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”: یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ نوجوانانِ اسلام کے دلوں کو گرمانے، ان کے جسم میں آگ بھرنے اور ان میں پاکستان کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنے میں نسیم حجازی صاحب کے ناولوں نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔“[44] اسی طرح کولمبیا پیسفک یونی ورسٹی، امریکہ سے نسیم حجازی پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے والے ڈاکٹر تصدق حسین راجا کی حتمی رائے ہے ”: بے شک اردو ادب میں نسیم حجازی کا مقام منفرد ہے۔“[45]

خلاصہ بحث

حاصلِ مقالہ یہ ہے کہ نسیم حجازی کی ادبی شخصیت ایک ایسا مرقع ہے جس کا ہر پہلو پر کشش اور جاذبِ توجہ ہے۔ ان کی اس تصویر کو سامنے سے دیکھیں تو وہ اردو ادب کے بلند قامت تاریخی ناول نگار ہیں، دائیں پہلو سے دیکھا جائے تو قد آور صحافی اور بائیں پہلو سے اردو کے ایک بڑے مزاح نگار ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ادبی پیشانی پر ”پاکستان سے دیارِ حرم تک“ کا چمکتا ہوا نور بھی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ نسیم حجازی اپنے تمام ادبی خصائص کے باوصف اردو ادب ہی نہیں بلکہ عالمی ادب میں ایک لاثانی و لافانی شخصیت ہے جو ہر دور میں فلاحِ انسانیت کی جانب جانے والی شاہ راہِ ادب پر چلنے والے قافلوں کی مقدور بھر رہبری کرتا رہے گا۔

References

[1] Tasadduq Hussain Raja, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* (19-Ferozpur Road, Lahore: Qaumi Kutub Khana, Sep. 1987), 61.
[2] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,72.
[3] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,72.
[4] Shamim Ikram ul Haq, "*Nasim Hijazi kay Ahl e khandan sy Interview"* Quoted in *Family Magazine* (Dec. 1995), 21.
[5] Dr. Shafiq Ahmad, "*Tareekh sy Agahi kay liay Nasim Hijazi ka Mutala'ah kia jaey." Siyadat Bahawalpur", Special Edition, January* (2004): 32.
[6] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,65.
[7] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,66.
[8] Jesa kih matan mien hy.
[9] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,66.

[10] Raqim, *Dr Ayesha Saleem sy Interview* Bahawalpur (14/Oct. 2008)
[11] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,307.
[12] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,61.
[13] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,293.
[14] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,139.
[15] Shamim, *Nasim Hijazi kay Ahl e khandan sy Interview-Family Magazine* (Dec. 1995), 21.
[16] Nasim Hijazi, *Gumshuda Qaflay* (Lahore: Jahagir Book Depoo, 2005), Arz e Hal.
[17] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,139.
[18] Shamim, *Nasim Hijazi kay Ahl e khandan sy Interview-Family Magazine* (Dec. 1995), 21.
[19] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,130.
[20] Dr Abdul Mughni, *Gumshuda Qaflay* (Lahore: Jahagir Book Depoo, 2005), Ta,arufi Mazmoon.
[21] Mughni, *Gumshuda Qaflay* . Ta,arufi Mazmoon.
[22] Dr Bushra Mateen, *Interview-Jang Sunday Magazine* (12/Feb. 2006), 21.
[23] Nasim Hijazi, "*Gumshuda Qaflay"* (Lahore: Jahagir Book Depoo, 2005), Flap.
[24] Tasadduq, *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* ,64.
[25] Shehreen Farooqi, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*" (Masters thesis, The Islamia University of Bahawalpur, 2005), 4.
[26] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 4.
[27] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 2-3.
[28] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 104.
[29] Dr Anwer Sadeed, "*Nasim Hijazi…Qalam kay aik Mujahid ki Dastan.*" Quoted in Daily Khabrain. (14/ March, 1996)
[30] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 131-132.
[31] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 134.
[32] Nasim Hijazi, "*Qarieen sy Chand Guzarishat.*" Quoted in *Tehreek e Pakistan aur Baluchistan* by syed Muhammad Farooq Ahmad, 1.
[33] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 134.
[34] Shehreen, "*Kohistan ka Tareekhi o Tanqeedi Jaeza.*", 135.
[35] Sadeed, "*Nasim Hijazi…Qalam kay aik Mujahid ki Dastan.*
[36] Nasim Hijazi, *Pardesi Darakht* (Lahore: Jahagir Book Depoo, 2005), 523.
[37] Dr Abdul Mughni, "*Nasim Hijazi ka Fun*" Quoted in *Gumshuda Qaflay* (Lahore: Jahagir Book Depoo, 2005), Ta,arufi Mazmoon.
[38] Mughni, "Nasim Hijazi ka Fun"
[39] Tahira Naz, "*Nasim Hijazi par Allama Iqbal kay asrat ka Jaeza.*" (M. Phil thesis, Allama Iqbal Open University Islamabad,), 180.
[40] Dr Shafiq Ahmad, "*Nasim Hijazi Bahasiyat Tareekhi Novel Nigar*" Quoted in *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* by *Tasadduq Raja*, 85.
[41] Shafiq, "*Nasim Hijazi Bahasiyat Tareekhi Novel Nigar*" , 85.
[42] Brig(Retd) Gulzar Ahmad, "*Nasim Hijazi*" Quoted in *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* by *Tasadduq Raja*, 106.
[43] "*Javaid Qureshi sy Interview"* Quoted in *Khabrain Sunday Magazine* (14/Apr. 2002)
[44] Nasim Hijazi, "*Gumshuda Qaflay"* (Lahore: Jahagir Book Depoo, 2005), Flap.
[45] Dr Sughra Bano Shagufta, "*Dae-e-Azmat e Rafta Musalamanan e Alam*" Quoted in *Nasim Hijazi-Aik Mutala'ah* by *Tasadduq Raja*, 76.